حدیث غزوۂ قسطنطنیہ پر استفسار

از:- مظہر عزیز سہیل بی۔ اے گورکھپور

تمہید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد بخاری شریف میں ہے شاید وہ ایک طویل حدیث ہے جسے امام بخاریؒ نے راویوں کے اختلاف اور جداگانہ ابواب کی تقسیم کے سبب سے چھ جگہ بیان کیا ہے۔ جلد اول کتاب الجہاد کے (۱) باب الدعا بالجہاد میں (۲) باب غزوۃ المرأۃ فی البحر میں (۳) باب من یصرع فی سبیل اللہ میں (۴) باب رکوب البحر میں (۵) باب ما قیل فی قتال الروم میں (۶) جلد دوم کتاب الاستیذان کے باب من زار قوماً فقال عندھم میں۔

ہم ان چھوں روایتوں کو جمع کر کے ایک مربوط اور مسلسل عبارت میں ان کا ترجمہ لکھتے ہیں:- (تکرارِ راوی کو ہم نے قصداً حذف کر دیا ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا تشریف لے جاتے تھے تو حضرت ام حرام بنت ملحان زوجۂ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہا کے یہاں اکثر جاتے تھے۔ حضرت ام حرام کی عادت تھی کہ وہ آپؐ کی خدمت میں کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور پیش کیا کرتی تھیں۔ ام حرامؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک بار حضورؐ دوپہر میں میرے گھر تشریف لائے تو میں نے حضورؐ کے سامنے کھانے کی کوئی چیز پیش کی اور قریب ہی بیٹھ کر آپؐ کے سر مبارک میں جوئیں تلاش کرنے لگی۔ اس کے بعد حضورؐ نے قریب ہی کسی چیز سے ذرا ٹیک لگائی اور سو گئے یکایک تھوڑی دیر کے بعد آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا بات ہوئی جس پر آپ کو ہنسی آ گئی۔ آپؐ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ خواب میں میرے سامنے لائے گئے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کو نکلے تھے اور اس سمندر کی پشت پر اس طرح شان اور اطمینان سے بیٹھے چلے جا رہے تھے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر ہوں۔ مجھے ان کو دیکھ کر تعجب اور خوشی سی ہوئی۔ میری امت کی جو پہلی فوج بحری جہاد کرے گی ان لوگوں نے تو (اپنے اوپر جنت) واجب ہی کر لی۔ یہ سن کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے کہ وہ مجھے بھی ان مجاہد غازیوں میں شامل کر دے۔ حضورؐ نے میرے لئے دعا فرمائی کہ بار الہا! ان کو بھی اس جماعت میں داخل کر دیجئے! پھر فرمایا ہاں تم ان میں شامل ہو گی۔ پھر آپؐ نے اسی طرح ذرا ٹیک لگائی اور کچھ دیر کے لئے آپؐ پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اب حضور کو کس بات پر ہنسی آئی؟ آپؐ نے پھر پہلے کی طرح فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ پھر مجھے خواب میں دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے نکلے۔ تو میری امت کی جو پہلی فوج قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گی انھیں بخش دیا گیا۔ تو

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے حق میں دعا کر دیجئے کہ ان مجاہد غازیوں میں مجھے بھی شریک و شامل فرمائے۔ تو آپؐ نے فرمایا تم بس پہلی جماعت میں ہو، دوسری میں نہیں۔ تو عبادہ بن صامتؓ نے اُن سے (ام حرامؓ سے) نکاح کر لیا اور وہ حضرت معاویہؓ کے ہمراہ جب بحری غزوہ میں گئے تو اُن کو ساتھ لے گئے ام حرام بھی (حضرت معاویہؓ کی بیوی فاختہ) بنت قرظہ کے ساتھ غزوہ میں گئیں۔ جب غزوہ سے لوٹیں تو فوج شام میں ٹھیری وہاں سے زانگی کے وقت سواری کے جانور پر سوار ہونے لگیں یکایک جانور بدکا ام حرام گر پڑیں جس سے ان کی گردن ٹوٹ گئی اور اسی صدمہ میں وہ انتقال کر گئیں۔" (انتہی)

اس حدیث کے متعلق ادھر کچھ عرصہ سے اکثر علمی بحثیں رسائل تجلی وغیرہ میں بھی اور بعض تصانیف مثل "شہید کربلا اور یزید" وغیرہ میں بھی نظر سے گذرتی رہیں، مگر وہ بحثیں بہت ناکافی اور ان کی بعض رائیں محض انفرادی تھیں جن سے میرے ذہن کے اکثر شبہات کی تشفی نہیں ہو سکی۔ خود اس حدیث میں تو کوئی ایسی بات نہیں تھی جو سمجھ میں نہ آسکے مگر الجھن جو اس میں پیدا ہو جاتی ہے وہ بعض شارحین حدیث کی نکتہ آفرینیوں سے یا بعض اکابر کی غلبۂ حال کی تحریروں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی شرحیں بالکل "خند پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا" کی مصداق معلوم ہوتی ہیں مثلاً ابن التین اور ابن المنیر نے جو نکتے اس میں نکالے ہیں میری رائے ناقص میں وہ اب بھی اہل حق اور ارباب بصیرت کی زیادہ سے زیادہ غائر نظر اور تحقیق کے مستحق ہیں۔ میرے خیال میں تو جس طرح لعن یزید اور تکفیر یزید کے مبارک کام میں اہل سنت والجماعت میں سے شاید سب سے قدیم اور سب سے جوشیلے وکیل سعد الدین تفتازانی ہیں اسی طرح شہر قیصر پر پہلے حملہ آور لشکر کی مغفوریت میں شبہے نکالنے میں شاید سب سے قدیم اور سب سے زیادہ پُرجوش وکیل یہ ابن التین اور ابن المنیرؒ ہیں اور جس طرح تفتازانی کے بارے میں ملا علی قاری حنفی نے شرح فقہ اکبر میں فیہ رائحۃ من الرفض کا ریمارک کیا ہے۔ بعض قرائن سے — جو تفصیلاً آگے آ رہے ہیں — میری بھی رائے ان دونوں ابن التین اور ابن المنیر کے بارے میں یہی ہے کہ "فیھما رائحۃ من الرفض" جس طرح خود امام بخاری نے بعض روافض کی روایت ان کے ظاہری دین دار ہونے پر اعتماد کر کے لی ہے اسی طرح بخاری کے شارحین عسقلانی قسطلانی، عینی نے بھی کیا تعجب ہے کہ بعض رائحۂ رفض دونوں کے اقوال والوں کے اقوال ان کی دین داری کی خبر سن کر قبول کر لئے ہوں!

بخاری شریف کے مشہور شارح علامہ ابن حجر عسقلانی نے اوپر کی کچھ حدیثوں میں سے حدیث ۲ کی شرح میں ان دونوں بزرگوں کا ایک قول نقل کیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:-

"مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا معاویہؓ کی بھی منقبت ہے کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بحری جہاد کیا اور ان کے بیٹے (یزید) کی بھی اس میں منقبت ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے مدینۂ قیصر پر جہاد کیا۔ مہلب کے اس قول پر ابن التینؒ اور ابن المنیر نے اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حکم مغفورٌ لھم کے عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ کوئی خاص دلیل بھی اُسے اس حکم سے خارج نہیں کر سکتی، کیونکہ اہل علم کا اس میں مطلق اختلاف نہیں کہ حضورؐ کا یہ قول مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ مجاہدین مغفرت کے اہل بھی رہے ہوں۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کوئی شخص اس جہاد کے بعد دین سے پھر گیا ہو تو سب علماً

[illegible]

متفق ہیں کہ وہ اس حکم عام میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا منشاء یہ ہے کہ ان مجاہدین میں سے صرف انھیں کو بخشا جائے گا جن میں مغفرت کی شرط بھی پائی جائے۔ (آگے چل کر)... لیکن ابن التین کا یہ کہنا کہ "یزید تو اس غزوہ میں گیا ہی نہیں تھا" مردود اور غلط ہے ہاں یہ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ یزید بدست جنگ کرنے والوں میں نہیں تھا' کیونکہ وہ تو امیر لشکر تھا۔ (فتح الباری)

دیکھئے ابن التین نے اس میں تین شبہے ڈالنے چاہے ہیں (۱) اس حکم عام میں اگر یزید کو داخل مان بھی لیا جائے تو بھی اُسے نفع نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس کے بعد اگر بالفرض اس نے کفر وارتداد کا ارتکاب کیا ہو تب تو تمام علماء اس کے اس بشارت سے خارج ہونے پر متفق ہیں۔ حضورؐ نے اکثر اعمال کے فضائل میں غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر وغیرہ کے وعدے اور بشارات فرمائی ہیں ان میں اہل علم بخیروفات علی الایمان کی شرط ملحوظ رکھتے ہیں گویا حضورؐ کے ایک ارشاد تبشیری کو جس طرح بالعموم عام قانون کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ حضورؐ کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اگر اس جہاد کے مجاہدین بعد میں مرتد بھی ہو جائیں تب بھی ان کو بخش دیا جائے گا (۲) دوسرا شبہہ یہ اٹھایا کہ یزید تو مدینہ قیصر پر حملہ آور فوج میں تھا بھی نہیں سپہ سالار کوئی دوسرا تھا پھر بھلا اُسے مغفوریت کی بشارت کا نفع کیونکر مل سکتا ہے؟ (۳) تیسرا نکتہ اور شبہہ یہ کھڑا کیا کہ اچھا مان لیجئے اُس فوج کا سپہ سالار یزید ہی تھا تو حضورؐ کی بشارت تو اُن لوگوں کے لئے تھی کہ جو تلوار لے کر قلعہ تک جائیں اور قلعہ کی دیوار یا پھاٹک پر تلوار کی ضربیں لگائیں۔ اسمیں تو یزید نہیں تھا؟ وہ تو امیر لشکر بنا دور بیٹھا تھا اور زبانی جمع خرچ کر کے مجاہدین کو بڑھاتا اور لڑاتا رہا اس لئے مغفرت کی بشارت کا نفع بھلا اُسے کیونکر مل سکتا ہے؟ نہ معلوم ابن التین پہلے غزوہ میں ام حرام کو بھی داخل بشارت کیونکر مان لیں گے کیونکہ تلوار لے کر تو وہ بھی نہیں میدان میں اُتری تھیں۔

حالانکہ غریب ابن التین کو شاید خبر نہیں کہ ارتداد کے بعد بھی ایک قاعدۂ خداوندی کی رو سے مغفرت ہو سکتی ہے جیسا آگے آرہا ہے۔ دوسرے اس ذہانت کی تو ذرا داد دیجئے کہ اگر جہاد کے بعد بالفرض کوئی مرتد ہو گیا ہو تو علماء اُسے خارج کرنے پر متفق ہیں! میں کہتا ہوں بہت اچھا' ہیں متفق تو۔ آگے فرمائیے۔ یعنی یزید کو جہنم میں بھیجنے کے لئے پہلے یہ بھی تو ثابت کیجئے کہ اس نے کفر وارتداد کا فلاں کام کیا تھا اور اس کام کے کفر وارتداد ہونے پر تمام علماء جن میں "رائحۂ رفض" نہیں ہے متفق بھی ہیں۔ کسی مدعی کے بیان میں اگر آپ یہ دیکھیں کہ وہ اثبات مدعا کے لئے کبھی ایک دلیل بہت زور شور سے بیان کرتا ہے پھر کچھ سوچ کر دوسری دلیل پیش کرتا ہے کہ پہلے قول کو زور پہنچائے۔ پھر تیسری بات اس کی تائید میں لا رہا ہے تو اس سے جہاں یہ بات آپ کو معلوم ہوگی کہ وہ خود بھی اپنی کسی ایک دلیل کو ثبوت میں کافی نہیں سمجھ رہا ہے وہاں یہ بھی روز روشن کی طرح آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ اس مدعی کی نیت' غرض اور کوشش سب فاسد در فاسد ہے۔ اگر راقم الحروف کے مذکورۂ بالا قرائن ابن التین کے خلاف علم و دیانت کے نزدیک بھی صحیح اور باوزن ہوں تو میں کہتا ہوں کہ آخر کیا جوہری فرق ہے ابن التین صاحب کے اس طرز استدلال اور اثبات مدعا کی کوشش میں اور فرقۂ سبائیہ کے طرز استدلال اور کوششوں میں کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے خلافت علی بلا فصل کا اثبات ہو رہا ہے اور انفسنا و انفسکم سے خلافت علی بلا فصل کا اثبات کر رہے ہیں۔ کیا صاف معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ دونوں طرز استدلال ایک ہی قسم کی ذہنیت اور ذہانت کی پیداوار ہیں؟

بہرحال اس حدیث کی شرح میں مذکورہ بالا طرز استدلال کے شبہات اگر صرف ابن التین ہی کے ہوتے بلکہ بالفرض خود کسی جناب التین صاحب کے بھی

ابن التین صاحب کے بھی ہوتے تو بھی میں ان کی طرف ادنیٰ التفات بھی نہ کرتا اور علماء سے اس کا مطلب پوچھنے کی زحمت نہ اُٹھاتا بلکہ جو مطلب میں نے سمجھ لیا تھا اُسی کو صحیح جانتا مگر چونکہ اس سلسلہ میں اکثر کتب کی مراجعت سے یہ انکشاف ہوا کہ عسقلانی، قسطلانی اور عینی نے شرح حدیث میں، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح تراجم ابواب بخاری میں اور مولانا تھانویؒ نے فتوے میں انھیں ابن التین کا قول کلّاً یا جزءاً تسلیم کیا اور دُہرا دیا ہے تو سمجھ میں یہ آیا کہ غالباً اس استدلال اور اس قول کے اصلی بادی اور بانی ابن التین صاحب ہی ہیں۔ رہا ان اکابر علماء کا ان کے قول کو تسلیم کر لینا تو غالباً بلکہ اغلباً محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبے اور محبتِ حسینؓ کے ہجوم میں ان حضرات کو اس قول کی طرف پوری طرح التفات نہیں ہو سکا۔ ابن التین صاحب کا قول جو میرے خیال میں بہت زہریلا ہے ان حضرات کے لئے "دامِ ہم رنگِ زمیں" ثابت ہوا کہ بات کچھ لگتی ہوئی دیکھی تو تفصیلاً اس کی گہرائی میں غور سے جھانکنے کی انھوں نے ضرورت نہیں سمجھی اور اُسے دُہرانے لگے۔ یعنی تین ہی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں

(الف) یا تو ابن التین کے اعتراضات اور شبہات واقعی مضبوط ہی بنیادوں پر قائم ہیں اور میں اپنی علمی بے مائیگی کے باعث اُس بنیاد کو سمجھ نہیں سکا ہوں۔

(ب) یا یہ اکابر جن کی خاکِ پا بننا بھی میرے لئے باعثِ فخر ہے ـــ حبِ رسولؐ اور عقیدتِ حسینؓ میں دیکم سے کم بغضِ یزید میں) صحیح مطلب سمجھ میں آنے کے باوجود اس کے اظہار میں مصلحت نہیں دیکھتے۔ ورنہ مطلب وہ بھی وہی سمجھتے ہیں جو میں یا کوئی اور سمجھ سکتا ہے۔

(ج) یا پھر انھوں نے سرسری نظر میں ابن التین کے قول کو حبِ حسینؓ۔ حبِ رسولؐ اور بغضِ یزید کا متضمن پایا تو بغیر مزید غور کے اسے تسلیم کر لیا۔ اگر اول الذکر صورت ہے اور میں اپنی کم علمی کے پیشِ نظر اسی صورت کو متعین و متیقن سمجھتا ہوں تو اپنے ذیل کے چند طالب علمانہ اشکالات کو عصرِ حاضر کے دس اکابر علماءِ حقانی کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ مجھے ان حضرات کے علم و عمل، دیانت و تقویٰ پر پورا اعتماد ہے اور ان سے بہ ادب درخواست کرتا ہوں کہ استفتاء ہٰذا کا جواب ادلّۂ کتاب و سنت و فقہائے امت کے اقوال سے عطا فرمایا جائے تاکہ میرے اور نہ معلوم کتنے اور کم فہموں کے لئے تشفی بخش ثابت ہو اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان علماءِ عشرہ میں سے دو تہائی حضرات کے جوابات جو بھی نقطۂ نظر بتائیں مجھے اس پر جمائے رکھے آمین۔

استفتاء

(۱) کیا فرماتے ہیں علماءِ دین حسبِ ذیل استفسارات و شبہات کے باب میں۔

کیا مغفورٌ لھم سے مغفرتِ اوّل مراد ہے جس کا دوسرا عنوان دخولِ جنت بغیرِ عذاب ہے یا مغفرت بعد سزا؟ نیز کیا تم مراد ہے؟ اگر مغفرت بعد سزا مراد ہو تو نہ تو اس میں یزید اور دیگر لشکریان کے لئے کوئی خصوصیت کوئی مدح، کوئی مژدہ و بشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور شبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے کیونکہ وہ تو ابن التین کے لئے، میرے لئے اور تمام گناہ گاروں کے لئے عام ہے ہی مگر بظاہر اور میرے نزدیک ابن التین کی یہ کلامی کوششیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کے لئے خصوصاً یزید کے لئے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں۔

(۲) حضورؐ کا ارشاد مغفورٌ لھم کا طرزِ بیان، پوری حدیث کے دیگر قرائن کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہوئے محض جہادِ قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے۔ (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوۂ قسطنطنیہ میں جائے گا تو مغفورٌ لھم کے ثواب میں بشرط وجود شرائطِ عامہ ثواب کا شریک ہو سکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کے لئے ایک خاص بشیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو

اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے یہ انعام تو انھیں مل ہی کر رہیگا کیونکہ ان مخصوص لوگوں کی ایمان کی سلامتی اور وفات علی الایمان تو یقینی و متعین ہے۔ اس میں کوئی شرط و تعلیق نہیں؟

(۳) اگر یہ ادجبوا اور مغفور لھم ذکر فضائل جہاد مجاہدین ہے اور ترغیب عمل نہیں بلکہ مخصوص تبشیر جیش ہے تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہوا کرتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کوئی نظیر؟

(۴) اگر ایک بشارت مغفور لھم میں شرط و تعلیق علماً نے مانی ہے تو کیا اسی وقت کی اور اسی حیثیت کی دوسری بشارت اوجبوا میں بھی شرط و تعلیق مانی ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن قوانین کو ملا کر اوجبوا کا انعام تقسیم کرنے کا ضابطہ بنانا چاہئے اور کن کن افراد کو کس کس قانون کی روشنی سے اس بشارت کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہئے؟

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حکم مشروط ہے اس شرط سے الخ وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم کی رسائی ہے۔ اس کا طرز بیان ہی جداگانہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط و جزا) میں ہوا کرتا ہے۔ مثلاً من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر وغیرہ۔ یہاں دو جملے ہیں مضمون بھی شرط و جزا کا ہے اس لئے شرط بھی صحیح اور تعلیق بھی تسلیم مگر اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم۔ تو جملہ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے اس کے اندر بھی شرط و تعلیق ماننا میرے نزدیک ایسا ہی جیسے ایک آدمی زید کو قدوہ پڑھنے کے زمانے میں زید عالم کہدے تو دوسرا کہے کہ واہ زید بھلا اس عموم میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے کیونکہ تمام علماء بلا اختلاف جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ کیسے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمر طبعی خدا کے یہاں سے لے کر آیا ہو پھر اس کو مدرسہ بھی جامعۃ ازہر مصر کی طرح ملا ہو۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض اسے ابن التین جیسے استاد نہ ملیں تو اس کے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو اس لئے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشاء عالم کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے، مصر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا استاد بھی اُسے ملا ہو۔

(۶) کیا حضورؐ کی اور تمام بشارتیں عشرہ مبشرہ کو اہلبیت قرآنی یعنی امہات المومنین کو۔ اہلبیت حدیثی یعنی آل عباؑ کو اصحاب بدر کو بلکہ جملہ اصحاب رسولؐ کو کہ مغفرۃً و اجراً عظیماً کا وعدہ سبھی سے ہے، ابھی سب تاوقت شرط و تعلیق کا ہدف ہیں؟

(۷) جب جمع الفوائد جلد دوم مناقب حسینؓ میں معجم کبیر طبرانی کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اور حضورؐ دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلین حسینؓ مسلمان ہوں گے۔ چنانچہ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا گویا ان کو قاتلین حسینؓ کا مسلمان ہونا یا مسلمان رہجانا باور ہی نہ ہوتا تھا۔ مگر جب حضورؐ نے ان کو مسلمان کہدیا اور قتل حسینؓ ہی کے جرم کیساتھ ان کا مسلمان ہونا بیان فرمایا تو کیا ابن التین (یا لفتازانی یا کسی غوث و قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اُسے شریعت محمدیہ کی رُو سے کافر یا مرتد کہیں؟

(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسینؓ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے جیسا ابن عمرؓ کا قول اتقیا اللہ ولا تفرقا بین المسلمین۔ ابن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث فاقتلوہ کائناً من کان مشہور ہے تو کیا شریعت محمدیہ کی رُو سے وہ لوگ گنہگار ہوئے؟ کیا ایسا

کوئی قابلِ تسلیم یا امرِ تقبیلِ مسلم ایسی صورت میں بھی تحقیق لغت ہے جیسا امام غزالی لکھتے ہیں:۔

(یہ سوال بظاہر ابن التین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دور چلنے کے لئے مستلزم ضرور ہے اس لئے لکھدیا)۔

(۸) حضورؐ نے ام حرامؓ کے یہاں قیلولہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر جو بشارتیں دیجیں اور مغفورٌ لھم کی دیں تو کیا ان ارشادات میں اخبار عن الغیب یکشف مستقبل نہیں تھا؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے مگر کیا اس کے ان ارشادات میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا؟ کیا ایسے قرائن وحی سے قطع و یقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن و تخمین اور تعلیق و تامین ہی کا پہلو نکلتا ہے؟ اگر ان قرائن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیب جہاد اور حکمِ شروط نکلتا ہے تو ایک سمجھنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضورؐ نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیم کئے ہیں تو خواب و خیال کا اعتبار کیا؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیب جہاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ خواب کی وحی مسرت اور ضحک کے قوی وجد و حال کے قرائن سے اس میں تامہ اور مغفرت اقلی مراد ہے۔

(۹) اگر ابن التین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مغفورٌ لھم کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام قانون کو پیشِ نظر رکھنا اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا تو میں بھی حضورؐ کے اس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشادِ نبوی اور عام انعامِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں، علماءِ کرام فیصلہ کریں سلیم و سلامتی والے اسلام اور امن و امان والے ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ کی غفاریت اور رحمانیت کی روح کے موافق ابن التین کے علم و دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم و دیانت کا۔ وہ ارشادِ نبوی یہ ہے:۔ (دیکھئے مشکوٰۃ باب وقوف بعرفہ عن عباس ابن مرداس صفحہ ۲۲۹) "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی امت کی مغفرت (تامہ) کی دعا فرمائی تو دربارِ الٰہی سے جواب ملا کہ اچھا میں نے ان سب کو بخش دیا بجز مظالم اور حقوق العباد کے، کیونکہ یہ حق تو میں ظالم سے مظلوم کو دلوا کر رہوں گا تو حضورؐ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحبِ حق کو جنت کا کوئی محل دیکر راضی اور ظالم کو بری فرما کر، معاف فرما سکتے ہیں۔ تو اس دعا کا جواب وہاں میدانِ عرفات میں تو آپؐ کو نہیں ملا مگر جب آپؐ نے مزدلفہ پہنچ کر صبح کو پھر وہی دعا مانگی تو آپؐ کی دعا منظور کر لی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضورؐ پر ضحک یا تبسم کا وجد طاری ہو گیا تو آپؐ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپ (بوجہ شغلِ دعا و ابتہال و گریہ و زاری کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے۔ آخر کیا بات تھی جس نے آپ کو ہنسا دیا خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں۔ حضورؐ نے فرمایا سنو! اللہ کے اس دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا (مغفرت امت کی) قبول فرما لی اور میری امت کی مغفرت (تامہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرما دی تو مٹی لے کر سر پر ڈالنے اور بڑی ہائے واویلا مچانے لگا ہے۔ بس اس کی یہ بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آ گئی۔" (انتہی)

اب ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفورٌ لھم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا۔ ابن التین تو ایک یزید ہی کی مغفرت پر سرگرداں ہو رہے ہیں اور حضورؐ کی شانِ رحمۃ للعالمین ساری ہی امت کی مغفرت تامہ کے لئے بار بار دعا فرما رہی ہے جن میں نہ معلوم کتنے یزید ہوں گے

ابن التین اللہ میاں کو تقسیمِ مغفرت کے متعلق ایک ضابطہ بتا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور اسے مشروط کر دیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حریصٌ علیکم کا تاج سر پر رکھے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جس میں قتلِ مسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لئے ترحمِ خسروانہ کی اپیل کرتے ہیں اور امت کو ولا تخش من ذی العرش اقلالا کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۱۰) جب مغفورٌ لھم حضور کا ارشاد ہے اور مقامِ تبشیر میں ہے تنزل کے طور پر اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اتقیا و ابرار تو نہ ہوں گے کہ مغفرتِ اوّل سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنت میں چلے جائیں بلکہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبین کبائر۔ کوئی قاتلِ مسلم ہو گا کوئی آمر بہ قتلِ مسلم ہو گا کوئی مستبشر بہ قتل ہو گا کوئی مدمنِ خمر ہو گا کوئی چیتوں اور کتوں سے شکار کا مشغلہ کرتا ہو گا کوئی شعر گوئی میں تضییعِ اوقات کرتا ہو گا۔ ایسے لوگوں کے لئے بھی جب حضورؐ نے مغفورٌ لھم فرما دیا تو کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ جہادِ مدینہ قیصر کا ثواب اس قدر بے نہایت ہے اور یہ فعل ایسا پسندیدۂ حق ہے کہ اس فوج کے تمام افراد کے تمام گناہ صغائر بھی کبائر بھی، حقوق اللہ بھی حقوق العباد بھی سب بخش دیئے جائیں گے، بلکہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کسی کو (معاذ اللہ) ایک تقدیر ازلی کے بموجب کفر و ارتداد کا بھی ابتلا پیش آ جائے گا تب بھی اس غزوہ کے جملہ شرکاء کے لئے (بلا استثناء مرد و عورت، امیر و مامور، سپاہی و سپہ سالار) حق تعالیٰ کی دوسری تقدیر یہ بھی ہو چکی ہے کہ اس ابتلاء کے بعد بھی اسے پھر توبۂ صادقہ کی توفیق یقیناً ہو جائے گی اس طرح وہ مستحقِ مغفرت بن جائے گا اور حضورؐ کا فرمان سچا اور پورا ثابت ہو کر رہے گا۔ گویا حضورؐ نے مغفورٌ لھم فرما کر اسی دوسری تقدیرِ خداوندی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو ابن التین کے گلے کے نیچے نہیں اتر رہی ہے۔

ایک نظریہ ہے کہ ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر ابن التین مکذبین بالقدر میں سے نہیں ہے تو ان کو آنکھ کھول کر وہ ارشادِ نبوی دیکھنا چاہئے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ باب القدر عن سہل بن سعد)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے۔"

یہ تو تھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ اب اس کی ایک مثال بھی عہدِ سعادت ہی کی سن لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے کچھ وحیِ قرآنی لکھوائی۔ آیت فتبارك الله احسن الخالقین پر پہنچ کر ایک تقدیرِ الٰہی کی بموجب ان کو ارتداد کا ابتلا پیش آ گیا مگر چونکہ ان کو جنتی ہونا تھا اس لئے دوسری تقدیرِ الٰہی نے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی سے انکے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتحِ مصر بنے رضی اللہ عنہ حالانکہ لسانِ نبوت نے (جہاں تک مجھے علم ہے) ان کے بارہ میں مغفورٌ لھم کی بشارت دی بھی نہیں تھی۔ اگر یزید سپہ سالار غزوۂ قسطنطنیہ کے لئے بھی جس سے شاید کفر و ارتداد ہوا بھی نہیں تھا حق تعالیٰ نے حضورؐ کے ارشاد مغفورٌ لھم کی لاج رکھنے کے لئے دوسری تقدیر، توبۂ صادقہ قبل الموت، وفات علی الایمان کی فرما دی ہو تو ابن التین کو اس تقدیرِ الٰہی سے انکار کیوں ہے؟ بینوا و توجروا

راقم الحروف کو عصرِ حاضر کے جن دس اکابر علماء کے علم و دیانت اور تقویٰ امانت پر اعتماد ہے اور جن سے اپنے شبہات کے جوابات کے لئے میں درخواست کر رہا ہوں

ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

(۱) مولانا الحافظ الشاہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنؤ

(۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی - مئو - اعظم گڑھ

(۳) مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی (ڈھاکہ)

(۴) مولانا محمد تقی صاحب امینی - مدرسہ معینیہ - اجمیر -

(۵) مولانا محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند -

(۶) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی - شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور (۷) سید ابوالحسن علی ندوی - شیخ الحدیث والتفسیر ندوہ - لکھنؤ (۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن - لاہور (۹) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ - مدیر رسالہ الفرقان - لکھنؤ (۱۰) مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی -

ان حضرات کی خدمت میں رسالہ تجلی بھی پہنچے گا اور جواب استفتاء کے لئے لفافہ بھی -

---

ہم جانتے ہیں کہ یہ استفتاء ایک خارزار ہے لوگ اس کے قریب آنے سے گریز کرتے ہیں - ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری مقابل صف میں بڑے بڑے اکابر نظر آتے ہیں مگر ہمیں دراصل دو باتوں نے استفتاء کے لئے آمادہ کیا، ایک یہ کہ ابن تیمیہ، امام غزالی اور بہت کچھ مولانا تھانوی بھی ہماری صف میں ہیں دوسرے یہ کہ یزید کو خیر چھوڑئیے کہ بعض صوفیہ پر تو حبِ رسولؐ و حبِ حسینؓ کا یہ غلبہ تھا کہ انھوں نے مدت العمر یزید کا نام زبان سے لینا پسند نہیں کیا، یہ بحث تو خالص علمی ہے جس نے حدیث کے بعض شراح کی افزودگی والیوں سے رفتہ رفتہ ایک کلامی رنگ اختیار کر لیا ہے - حضرات صوفیہ و علماء کی محبتِ رسولؐ اور محبتِ حسینؓ ہمارے سر آنکھوں پر - ہمارے سینہ و دل میں - مگر جب ہزاروں کے عقائد کے بننے بگڑنے کا سوال ہو تو حدیث کی شرح اور زیادہ صاف ہونی چاہئے - بات نکھرتی ہے شبہات کے مختلف گوشوں پر غائر نظر ڈالنے سے - اس لئے میرے نزدیک بزرگوں کا ادب تو تسلیم ہے مگر انصاف کو بالائے طاعت کیا گیا ہے - بزرگوں کی بات ہم محض اس لئے نہیں مانیں گے فلاں بزرگ نے یہ کہا اور یہ لکھا ہے - اس طرح مان لینے میں زبان تو ضرور بند ہو جائے گی - لیکن دل میں شبہات کا ناسور پیدا ہو کر رہے گا - ہمارے نزدیک علماء کے سامنے شبہات کو بے تامل پیش کر دینا لاکھ درجہ بہتر ہے اس سے دل میں معاذ اللہ حدیث میں مخبرِ رہنما بشارتِ رسول سے اعتقاد اٹھ جائے - بزرگوں کی غلبۂ حال کی تحریروں کو ٹھوس محکم عقیدہ سے ممتاز نہ کیا جائے اور علماء و صوفیہ کے بارے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا جائے -

میں نے اس استفتاء میں ابن التین کے خلاف کچھ فیصلہ خود کر دیا ہے اور کچھ سخت الفاظ ضرور لکھے ہیں جو ایک مستفتی کو مناسب نہ تھے، مگر لکھنے کی وجہ یہ بھی کہ میرے شبہات کی اہمیت ظاہر ہو - دوسرے مجھے انکی باتوں میں کچھ دیانت نہیں نظر آئی - اب علماء سے پوچھ رہا ہوں اگر وہ ٹھوس محکم بنیادوں پر (نہ کہ محض خوش عقیدگی اور قدامت پرستی کی بنیاد پر) ابن حجر کی شرح حدیث بالا میں دیانت بتا دیں گے تو میں اپنے قول سے رجوع بھی کر لوں گا اور پھر ابن التین کی روح کو فاتحہ سے خوش بھی کر دوں گا -

والسلام

تجلی فاضل مستفتی کے مطالبے پر ان کا استفتاء ہم نے چھاپ تو دیا ہے لیکن توقع بہت کم ہے کہ مفتیانِ منتخبہ میں سے چند بھی اس کے جواب کی زحمت اٹھائیں گے - تاہم یہ فائدہ اس اشاعت کا ضرور ہے کہ جس حدیث کا تذکرہ متعلقہ بحث میں بار بار آتا رہا ہے اس کے تمام گوشے خواص و عوام کے سامنے آجائیں گے وہ دیکھ سکیں گے کہ یزید کی بخشش کا یقین خواہ مخواہ بغضِ حسینؓ میں نہیں کر لیا گیا ہے، بلکہ اس کے لئے مضبوط علمی بنیادیں موجود ہیں -

فاضل مستفتی نے دوران تحریر میں بعض بڑے بڑے

اساطین مثلاً عسقلانی، قسطلانی، عینی، شاہ ولی اللہ اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا نام لیا ہے۔ علمی مذاق نہ رکھنے والوں کو اس سے یہ بدگمانی ہو سکتی ہے کہ وہ اِن مایۂ ناز بزرگوں کا تخطیہ کر رہے ہیں جو بہت بڑی جسارت ہے۔ لیکن علمی مذاق کے سرمایہ داروں کو اس سے وحشت نہیں ہوگی، کیونکہ قطع نظر اس کے کہ مستفتی کی حیثیت میں مسئلہ کے تمام قابلِ لحاظ گوشوں کو واشگاف کر دینا ضروری ہی تھا، علوم و فنون کی تاریخ میں بھی کوئی عجوبہ نہیں ہے کہ بعض بڑے بڑے علم و فضل والوں سے فکر و نظر کی غلطیاں ہو گئیں۔ پھر جہاں بیشمار لوگوں نے ان کے علم و فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے بلا نقد ان غلطیوں کو بطورِ دلیل و حجت نقل کر دیا اور بہت لوگ انکو درست بجا تسلیم کرتے چلے گئے، وہیں بعض اولوالعزموں نے حق و انصاف کو ہر مرعوبیت سے بالاتر سمجھتے ہوئے ان غلطیوں پر تنقید کا نشتر بھی چلایا اور غلط کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کی ایک مثال وہ مشہور قصہ ہے جس میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ اس قصے کے چکر میں اور تو اور امام رازی جیسے خردمند اور ژرف نگاہ علامہ بھی پھنس گئے۔ بعض بڑے بڑے فقہاء، محدثین اور مفسرین بھی یہی کہانی سناتے آئے ہیں۔ مثلاً علامہ ابوالسعودؒ۔ علامہ خازنؒ۔ قاضی بیضاویؒ صاحب غرائب القرآنؒ۔ صاحب روح البیانؒ۔ علامہ عینیؒ۔ ملا جیونؒ۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ۔ صاحب غایۃ التحقیقؒ اور نہ جانے کون کون! لیکن حافظ ابن کثیرؒ، علامہ سیوطیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اسے نہیں مانتے وہ کہتے ہیں صرف دو نمازیں فرض ہوئی تھیں پچاس کی روایت غلط ہے۔

عقل کہتی ہے یقیناً غلط ہوگی۔ امام رازیؒ جیسا طباع اور ذکی انسان بھی یہ تصور کرنے کی فرصت نہ پا سکا کہ جس قوم پر دن میں پچاس نمازیں فرض ہوں اس کا حلیہ کیا بنے گا۔ اللہ بندوں سے تمسخر نہیں کر سکتا یہ تمسخر نہ ہوتا تو کیا ہوتا کہ دن میں پچاس نمازیں پڑھو ورنہ نافرمان کہلاؤ۔ حالانکہ معاملہ اُس قوم یہود سے تھا جو سرے سے ایمان ہی لانے میں متساہل تھی اور اللہ کے پیغمبر کو تنگ کر کے رکھ دیا تھا۔ ایسی قوم پر الکدم پچاس نماز یومیہ عائد کر دینا ایک ایسا عجیب طریقِ کار ہے جو علیم و حکیم رب العالمین کی صفاتِ معروفہ سے جوڑ نہیں کھاتا۔

اس مثال سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ بعض مرتبہ بڑے بڑے اعاظم رجال دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان کا دھوکا اخلاف کے لئے ایک مستقل مغالطہ بنجاتا ہے۔ دوسری یہ کہ علمی نقد و نظر میں بعض اسلاف کے خیالات کی تردید کر جانا تخطیے اور گستاخی میں داخل نہیں ہے۔ اب علامہ صاوی جیسے مفسر نے وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً (سورۃ یونس رکوع ۹) کی تفسیر میں لکھ دیا کہ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا تو کیا اُس شخص کو گستاخ اور بے ادب کہیں گے جو عرض کرے کہ جناب عالی بیت المقدس تو ان داؤد و سلیمان علیہما السلام نے بنایا تھا جو حضرت موسیٰ کے بہت بعد تشریف لائے ہیں۔ پھر یہ زمان موسیٰؑ میں بیت المقدس کہاں سے آ گیا؟

غلطی ہر شخص سے ہو سکتی ہے اور بعض غلطیاں جنہیں باقی لگاوٹوں سے ملکر ایسا قبولِ عام حاصل کر لیتی ہیں کہ افسانے حقیقت بن جاتے ہیں اور حقائق دور کھڑے حسرت سے تکا کرتے ہیں۔ ایسی ٹریجڈی ہمارے خیال میں حسینؓ و یزید کی بحث میں کار فرما ہوئی ہے۔ ورنہ کیا معنے تھے کہ بڑے بڑے محدثین ابن التین اور ابن المنیر جیسے لوگوں کی صریح الغلط تاویل کو نقل تو شوق سے کر دیتے ہیں مگر اس کا پوسٹ مارٹم کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے۔ چلئے مان لیا کہ مجاہدین قسطنطنیہ میں سے کوئی مرتد بھی ہو سکتا تھا اور ارتداد کے بعد مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن محض امکانِ ارتداد سے کیا یزید کے مرتد ہو جانے کا بھی حکم لگایا جا سکتا ہے؟ کیا ہر مفروضے کو واقعہ تسلیم کر لینا چاہئے؟ کمال ہے کہ محض نظری اعتبار سے ایک بات فرض کر رہے ہیں لیکن مخاطبین کے دلوں میں یہ اتار دینا چاہتے ہیں کہ یہ مفروضہ حقیقت ہی ہے!